جنسیاتی مطالعے

علی عباس جلالپوری

فہرست

1 پیش لفظ
2 بلوغت اور اوائلِ شباب
3 حُسن و جمال
4 حدیثِ عشق
5 شادی
6 ہم جنسیت
7 قحبگی
8 جنس اور ادب و فن
9 بردہ فروشی
10 جنس اور مذہب

11 جنسی انحرافات
12 نئے جنسی زاویے
13 اصطلاحات
14 کتابیات

پیش لفظ

ایک مستقل شعبۂ علم کی حیثیت سے جنسیات[1] کی تدوین ۱۹ویں صدی میں عمل میں آئی تھی لیکن اس کے اصول ومبادی کا کھوج قدیم تمدنوں میں بھی ملتا ہے۔ فراعین مصر کے مقبروں کی کھدائی سے ایسی تحریریں دستیاب ہوئی ہیں جنہیں آج کل کی زبان میں فحش کا نام دیا جاتا ہے اور جو عالم عقبیٰ میں فراعین کا جی بہلانے کے لئے اُن کی ممیوں کے ساتھ دفن کی جاتی تھیں چینیوں، یونانیوں، رومیوں، ہندیوں اور عربوں نے جنسی موضوعات پر مستقل کتابیں تالیف کیں اور اِس علم کے بارے میں ایسے ایسے انکشافات کئے کہ بعض پہلوؤں سے آج بھی اُن پر چنداں اضافہ نہیں کیا جاسکا۔ اِس ضمن میں افلاطون کے ایک شاگرد میر لفیدیز یونانی کی کتاب "جنسی حظ"[2]، اووڈ کی "فن عشقبازی" اور جوونیال، مارشل اور ہوریس کی نظمیں قابل ذکر ہیں۔ اووڈ قیصر آگسٹس سیزر کے عہد کا مشہور شاعر تھا جس کا معاشقہ قیصر کی نواسی جولیا سے ہوا اور راز فاش ہونے پر دونوں کو جلا وطن کر دیا گیا۔ "فن عشقبازی" اووڈ کے ذاتی مشاہدات اور واردات کا آئینہ ہے۔ وہ نسوانی فطرت کا بہت بڑا مبصر ہے۔ اُس نے مزاحیہ پیرائے میں عورتوں کو ورغلانے کے گُر بتائے ہیں اور دوسری طرف عورتوں کو ہدایات دی ہیں کہ وہ کس طرح اپنے عشاق پر قابو پا سکتی ہیں۔ اووڈ، جوونیال اور ہوریس کی نظموں میں معاصر رومی معاشرے کی جنسی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں اور جنسیات کے بارے میں رموز و نکات ملتے ہیں۔ افلاطون کے مکالمے 'سمپوزیم' اور 'فیدرو' میں اور سیفو کی نظموں میں ہم جنسی عشق کا ذکر والہانہ شیفتگی سے کیا گیا ہے جس سے معلوم

۱؎ SEXOLOGY

۲؎ جنسی حظ کے مسلک کو یونانی زبان میں HEDONE کہتے تھے۔ اخلاقیات میں HEDONISM کا مکتب اس سے یادگار ہے۔

ہوتا ہے کہ ہم جنسیت قدیم یونانی معاشرے کا تعلیمی ادارہ بن گئی تھی۔ قدیم چینی ادبیات میں دو کتابیں "سُنہرا کنول" اور "چِنگ پنگ می" قابلِ ذکر ہیں۔ "سُنہرا کنول" میں تاؤ مت کے پیروؤں کے لئے اعادۂ شباب اور جنسی حظ کے حصول کے طریقے درج کئے گئے ہیں اور جنسی ترغیبات سے بحث کی گئی ہے۔ "چِنگ پنگ می" میں ایک شخص سیسی من کی عشقیہ مہمات بیان کی گئی ہیں۔

ہندوستان میں وتسیاین کی کتاب "کام شاستر" مستند مانی گئی ہے۔ واتسیان کا اصل نام ملی ناگا تھا۔ وہ سنیاس کی حالت میں بنارس میں مقیم تھا جب اس نے یہ کتاب لکھی تھی۔ اُس کا زمانہ پہلی اور چوتھی صدی بعد از مسیح کے درمیان کا بتایا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں لنگ شیو دیوتا کی اور یونی شکتی دیوی کی علامتیں ہیں۔ وہ لنگ یونی کے اتصال کو پُرش پرکرتی کے وصال کے مماثل خیال کرتے ہیں جس سے یہ کائنات بنی تھی۔ اُن کے ہاں مقاربت کی راز خود رفتگی اور نکتی ملتی جلتی کیفیات ہیں۔ وتسیان نے "کام شاستر" میں اِس خیال کو پیش نظر رکھا ہے۔ اُس نے عورت کی قسموں، مقاربت کے آسنوں اور جنسی کج رویوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ "کام شاستر" کا ترجمہ مغرب کی بڑی بڑی زبانوں میں ہو چکا ہے۔ "کوکا شاستر" (کوک شاستر)، دمودر گپت کی "نٹنی متم" اور کلیان مل کی "انگ رنگ" میں (لغوی معنی ہے بے رنگ (کام دیو) کے رنگ) جو لاڈ خاں لودھی کی فرمائش پر لکھی گئی تھی "کام شاستر" ہی سے اخذ و استفادہ کیا گیا ہے۔ دتا کا نے پاٹلی پتر کی کسبیوں کی فرمائش پر ایک رسالہ لکھا تھا جو دست بُرد زمانہ کا شکار ہو گیا۔ اِس کے اقتباسات البتہ کہیں کہیں ملتے ہیں۔ ہمارے زمانے میں ملک راج آنند نے اپنی کتاب "کام کلا" میں قدمائے ہند کے جنسی نظریات کو جدید انداز میں پیش کیا ہے۔

عربی زبان میں جاحظ کی کتاب "العرس والعرائس"، النحلی کی کتاب "الباہ"، ابن حاجب النعمان کی "کتاب القیان"، جلال الدین سیوطی کی کتاب "الایضاح فی علم النکاح"، الف لیلہ و لیلہ اور شیخ نفزاوی کی "الروضۃ العاطر فی نزہۃ الخاطر" میں جنسی مباحث ملتے

لہ رچرڈ برٹن نے اِسے "کنٹی متم" لکھا ہے۔ میرا جی نے اس کا خوبصورت ترجمہ کیا ہے۔

ہیں۔ شیخ نفزاوی تیونس کا رہنے والا تھا۔ یہ کتاب اُس نے ۱۶ ویں صدی میں ایک وزیر کی فرمائش پر لکھی تھی۔ رچرڈ برٹن نے روضۃ العاطر کا نہایت دلآویز ترجمہ انگریزی میں کیا اور اس پر سیر حاصل حواشی لکھے۔ بعد میں اس کے ترجمے دنیا بھر کی زبانوں میں شائع ہوئے۔ جدید دور کے علمائے جنسیات ہیولاک ایلس اور کِنسے نے بھی اس سے استفادہ کیا ہے اور اپنی کتابوں میں جابجا اس سے اقتباسات دیئے ہیں۔ شیخ نفزاوی نے مرد عورت کی جنسی موافقت، رجولیت، ملاعبت اور آسنوں کے بارے میں شرح و بسط سے بحث کی ہے اور اپنے مطالب کی وضاحت کے لئے جابجا دلچسپ کہانیاں بھی لکھی ہیں البتہ ان میں کہیں کہیں مبالغۂ بے جا سے بھی کام لیا ہے۔ شیخ نفزاوی مقاربت کو محض بچے پیدا کرنے کا وسیلہ ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے صحت مند تفریح کا ذریعہ بھی مانتا ہے۔ رچرڈ برٹن نے "الف لیلہ و لیلہ" کا معرکہ آراء ترجمہ انگریزی میں کیا اور اس پر بیش قیمت حواشی لکھے۔ اس ترجمے کا تتمہ[1] نہایت معلومات افزا ہے۔ اس میں ہم جنسیت کا اختصاصی مطالعہ کیا گیا ہے۔ جنسیات میں بین التہذیبی[2] مطالعے کی اولیت بلاشبہ رچرڈ برٹن کو حاصل ہے۔

قدماء جنسی ملاپ کو ایک فطری عمل سمجھتے تھے اور اس سے بلا تکلف حظ اندوز ہوتے تھے۔ عیسائیوں نے جنسی ملاپ کے ساتھ جرم و گناہ کے جو مریضانہ احساسات وابستہ کئے ہندیوں، یونانیوں، عربوں اور چینیوں میں اُن کا نام و نشان نہیں ملتا۔ کلیسیائے روم کے آباء کلیمنٹ، آگسٹائن وغیرہ نے یہ کہہ کر کہ آدم اور حوا کو مقاربت کے جرم میں جنت سے نکالا گیا تھا اور اُن کا یہ جرم ہر بچے کو ورثے میں ملتا ہے، جنس کے ساتھ ازلی گناہ اور فحاشی کے تصورات وابستہ کر دیئے جو مرورِ زمانہ سے عیسائی اقوام کے ذہن و قلب میں الجھنیں بن کر راسخ ہو گئے۔ یہیں سے اہلِ مغرب کی عورت دشمنی کا آغاز بھی ہوا اور عورت کو شیطان کا آلۂ کار کہہ کر اُسے مردودِ ازلی قرار دیا گیا چنانچہ تاریک صدیوں میں ہزاروں عورتوں کو اس الزام میں

لہ TERMINAL ESSAY   کہ CROSS CULTURAL

آگ میں جھونک دیا گیا کہ وہ جادوگرنیاں ہیں اور شیطان کے پاس خلوت میں جاتی ہیں۔ نشاۃ الثانیہ کے دوران میں یونانی اور رومی علوم و فنون کے ساتھ قدماء کے طرزِ حیات اور اخلاقی قدروں کا احیاء بھی ہوا اور شاعروں، فن کاروں اور تمثیل نگاروں نے کھل کر حسن و عشق کی ترجمانی کا حق ادا کیا۔ بوکاچیو اور شہزادی مارگریٹ کی کہانیوں، پٹرارکا کے سانیٹوں، وِلاں کی نظموں بیلے کے حصوں، چاسر کی شاعری، شیکسپیئر اور مولیئر کی تمثیلوں، ڈاونچی، مائیکل انجلو اور رافیل کی تصویروں میں نئے جمالیاتی احساس کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اٹھارویں صدی کو یورپ میں جنسی بے راہ روی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ یہ بے راہ روی اُس ردِ عمل کی انتہائی صورت تھی جو ازمنۂ وسطیٰ اور تحریکِ اصلاحِ کلیسا کی رہبانیت کے خلاف ہوا تھا۔ دساد کے ناولوں "جسٹن" اور "جولیت" اور کلیوی لینڈ کے قصّے "فینی ہل" میں اِس دور کی جنسی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اُنیسویں صدی میں وکٹوریہ کے عہد کی اخلاقی بندشیں عائد کر دی گئیں لیکن یہ محض دکھاوا تھا۔ ظاہری پاکبازی اور شائستگی کے پردے میں جنسی بے راہ روی کا بازار بدستور گرم رہا جیسا کہ "میری مخفی زندگی" کے گمنام مصنّف نے پوست کندہ بیان کیا ہے۔ اسی زمانے میں فحش نگاری کو بے پناہ مقبولیت حاصل ہوئی۔ ادب میں یہ روایت بڑی حد تک اُنیسویں صدی سے یادگار ہے۔ اسی صدی میں سائنس کی ایجادات کے طفیل صنعتی انقلاب برپا ہوا اور اہلِ مغرب نے ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے بیشتر ممالک پر جارحانہ تاخت کر کے اُنہیں اپنی مصنوعات کی کھپت کے لیے وسیع منڈیوں میں بدل دیا۔ سامراج کے دوش بدوش عصمت فروشی کے کاروبار کو بھی وسعت ہوئی۔ ایشیا، افریقہ اور امریکہ کے شہروں میں بڑے بڑے قحبہ خانے کھولے گئے جہاں ہزاروں سفید فام کسبیوں کو بھی دوسری مصنوعات اور اجناس کی طرح برآمد کیا گیا اور سفید غلامی منظم تجارت کی صورت اختیار کر گئی۔ فی زمانہ سنگاپور، ہانگ کانگ اور بیروت سفید غلامی کے بڑے مرکز ہیں۔

سائنس کی ترقی کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ علم الانسان، عمرانیات، حیاتیات، نفسیات اور

طب میں حیرت انگیز انکشافات کیے گئے جن کے نتیجے میں علم جنسیات کو بھی وسعت ہوئی۔ علم الانسان اور تاریخ تمدن کی تحقیقات نے عصمت فروشی، بلوغت اور شادی کی رسوم اور ہم جنسیت کے مسائل پر نئے انداز میں روشنی ڈالی۔ مارگن، رابرٹسن سمتھ، ٹامس، فریزر وغیرہ نے سوچ کی نئی راہیں دکھائیں۔ رابرٹ بریفالٹ، ایڈورڈ ویسٹر مارک اور رچرڈ لیون سوہن نے بیش قیمت معلومات بہم پہنچائیں۔ اُن کی کتابوں کے مطالعے سے مفہوم ہوتا ہے کہ مختلف اقوام میں بلوغت اور شادی کی رسوم کیا تھیں اور جغرافیائی، معاشی اور تمدنی تقاضوں کے تحت جنسی معمولات کس طرح مختلف اقوام میں مختلف صورتیں اختیار کرتے رہے نیز اس حقیقت کا انکشاف ہوا کہ اوائلِ تمدن میں صدیوں تک مادری نظامِ معاشرہ قائم رہا جس میں بکارت کو غیر ضروری بلکہ مذموم سمجھا جاتا تھا۔ لنگ اور یونی کو بار آوری اور زرخیزی کے علامتی مظاہر سمجھ کر اُن کی پوجا بڑے ذوق و شوق سے کی جاتی تھی، عورت کو مرد پر سیادت حاصل تھی اور املاک کی وارث عورت ہی تھی زرعی انقلاب کے بعد صورتِ حالات بدل گئی اور عورت مرد کی ذاتی املاک بن کر رہ گئی۔ چنانچہ ضابطۂ حمورابی اور عہد نامۂ قدیم کے احکامِ عشرہ میں بیل گائے، بھیڑ بکری کی طرح عورت کو بھی مرد کی ذاتی املاک میں شمار کیا گیا ہے۔ زرعی معاشرے میں بکارت کو عورت کی سب سے بڑی خوبی قرار دیا گیا کیوں کہ مرد اپنی املاک اپنے ہی صلبی فرزندوں کو ورثے میں چھوڑنا چاہتا تھا۔ عمرانیات کے طلبہ نے تاریخی شواہد سے ثابت کیا کہ عصمت فروشی کو ابتدائے تمدن میں ایک مقدس مذہبی ادارے کی حیثیت دی گئی تھی۔ بعد میں اسے عام کاروبار کی صورت میں منظم کیا گیا۔ ہرشن فیلڈ، پولی ایڈلر، فرینڈ وینزیک وغیرہ نے عصمت فروشی کے موضوع پر عضویاتی اور نفسیاتی نقطۂ نظر سے قلم اُٹھایا اور جنسیات کی دُنیا میں یہ نزاع شروع ہوئی کہ کوئی عورت خلقی اور عضویاتی لحاظ سے کسبی ہوتی ہے یا ماحول اور سماج کے غلط اثرات اُس کی گمراہی کا باعث ہوتے ہیں۔ یہ بحث آج بھی جاری ہے۔ کارل ہائنرخ الرخس نے یہ سوال اُٹھایا کہ ہم جنسیت ایک خلقی میلان ہے جسے کجروی سے تعبیر کرنا تعصب بے جا ہے اور جو لوگ خلقی طور پر ہم جنسی ہوں اُنہیں

مردودو نابکار کہنا قرینِ انصاف نہیں ہے۔ نفسیات اور جنسیات کے عالم میں دوسری بڑی نزاع ہے۔ جنسی نفسیات میں فرائڈ، ہیولاک ایلس، برٹش فیلڈ، کرافٹ ایبنگ، ڈاکٹر مال، سیزر لومبر وسو اور پاولو مانٹاگیزا نے اہم انکشافات کئے اور ایڈ الگوشی، ایڈ السدی، نفسیاتِ طفلی، جنسی ترغیب، اوائل شباب کے آشوب، نرگسیت، خود لذتی، شادی وغیرہ کے موضوعات پر خیال افروز بحثیں کی ہیں۔ ہمارے زمانے میں جج لنڈسے اور برٹرنڈ رسل نے ماقبل نکاح کے جنسی تعلق کے حق میں دلائل دیئے ہیں اور کہا ہے کہ نکاح سے پہلے دلہا اور دلہن سال دو سال کے لئے آزمائشی طور پر میاں بیوی بن کے رہیں تو اُن کی شادی زیادہ خوشگوار ثابت ہوگی۔ یہ نظریہ اُس عظیم جنسی انقلاب کی پیش قیاسی کرتا ہے جو امریکہ اور یورپ میں صنعتی انقلاب کے بعد اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ صنعتی انقلاب کے شیوع کے ساتھ ساتھ جہاں زرعی معاشرے کے معاشی، سیاسی اور تہذیبی نصب العین بدلتے جا رہے ہیں وہاں اس کے جنسی اخلاق کی پُرانی قدریں بھی دم توڑ رہی ہیں۔ نئے دور میں عصمت و عفت اور نسوانی حیا کے معروف روایتی تصورات بھی بہت کچھ بدل گئے ہیں۔ میری سٹوپس، پروست، جیمز جائس، برٹرنڈ رسل، ڈی ایچ لارنس، ہنری ملر، سارتر، سیمون دبوا، ماسٹرز جانسن وغیرہ کے خیالات کی اشاعت کے ساتھ مغرب میں نئے نئے جنسی رویئے صورت پذیر ہو رہے ہیں اور قدیم بُت پرست اقوام کی جنسی روایات کا احیاء عمل میں آ رہا ہے۔ ہماری صدی معاشی، سیاسی، عمرانی اور جنسی پہلوؤں سے عبوری دور کی حیثیت رکھتی ہے کیوں کہ اس میں زرعی معاشرے کی پُرانی اور صنعتی معاشرے کی نئی قدروں کے مابین شدید کشمکش جاری ہے۔ آنے والی صدیاں ہی بتا سکیں گی کہ نئے معاشرے میں کس نوع کا جنسی طرزِ عمل صورت پذیر ہوگا البتہ یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ زرعی معاشرے کی اخلاقی اور جنسی قدریں جدید صنعتی معاشرے میں اپنی موجودہ شکل و صورت میں باقی و برقرار نہیں رہ سکیں گی۔ اِن تبدیلیوں کے آثار سرمایہ دارانہ اور اشتراکی نظام معاشرہ میں ابھی سے نمایاں ہونے لگے ہیں۔

علی عباس جلالپوری

جنوری ۱۹۷۵ء لاہور

بلوغت اور اوائل شباب

بلوغت[1] کا انحصار بڑی حد تک آب و ہوا پر ہے۔ گرم ممالک میں بالعموم بارہ تیرہ برس کی عمر کا لڑکا لڑکی بالغ ہو جاتے ہیں جب کہ سرد ممالک میں بلوغت کا آغاز پندرہ سولہ برس کی عمر میں ہوتا ہے۔ افریقہ اور عرب کے بعض حصوں میں نو دس برس کی لڑکیاں بالغ ہو جاتی ہیں۔

فرائڈ نے جنسی جبلت کے ارتقاء کے تین مراحل گنائے ہیں۔ ـــ (۱) طفلی کی جنسیت ـــ (۲) خفتگی[2] ـــ (۳) بلوغت

طفلی کی جنسیت: فرائڈ کے خیال میں شیر خوار بچے میں بھی جنسی خواہش موجود ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹوں میں کھانے کی جبلت اور جنسی حظ جمع ہو جاتے ہیں چنانچہ وہ ماں کے پستان سے دودھ پیتے وقت بھوک اور جنسی خواہش دونوں کی تشفی بہ یک وقت کر لیتا ہے۔ بچہ اپنے اعضائے نہانی کے لمس سے بھی اِک گونہ لذت محسوس کرتا ہے، انہیں ٹٹولتا ہے اور ان سے کھیلتا ہے۔ ماں اور آیا اس کی ان حرکتوں کو نفرت اور تشویش کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور ڈانٹ ڈپٹ کر اسے ان سے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہیں جس سے بچے کے ذہن میں جنس کے ساتھ جرم اور گناہ کے احساسات وابستہ ہو جاتے ہیں جو اس کے سرچشمۂ حیات کو مکدر کر دیتے ہیں۔ بلوغت کے دور کی جنسی کجرویوں کی بنیاد بھی ماں باپ کے غلط رویے کے باعث اسی دور میں پڑتی ہے۔ بسا اوقات ماں باپ بچے کو اپنا عضوِ خاص ٹٹولتے دیکھ کر اسے قطع کر دینے کی دھمکی دیتے ہیں جس سے بچہ 'ختنہ کی الجھن' میں مبتلا ہو جاتا ہے اور ختنے کا خوف بعد میں ضمیر کا خوف بن کر نمودار ہوتا ہے۔ یہی الجھن بلوغت کے بعد بچے کو خود کاری کی طرف مائل کرتی ہے۔ ننھی لڑکیاں اپنے بھائیو

---

[1] PUBERTY جس کا لغوی معنی ہے بال اُگنے کی عمر۔
[2] QUIESCENT

کے عضوِ خاص کو دیکھ کر اس وہم میں مبتلا ہو جاتی ہیں کہ ان کی ماں نے اُن کا عضوِ خاص قطع کر دیا ہے اور وہ ساری عمر ماں کا یہ قصور معاف نہیں کرتیں۔ نسوانی شرم و حیا اسی نقص کو چھپانے کی کوشش کا نام ہے۔ فرائڈ کے اِن خیالات سے بعض علمائے نفسیات نے اختلاف کیا ہے لیکن فرائڈ کے اس ادعا کو عام طور سے تسلیم کر لیا گیا ہے کہ بچے کی جنسی زندگی کا آغاز پیدائش کے وقت ہو جاتا ہے فرائڈ کے بعض پیرو جنین میں بھی جنسی خواہش کے وجود کو مانتے ہیں[1]

<u>خفتگی</u> : دوسرا مرحلہ خفتگی کا ہے جو بچے کی شیر خوارگی کے خاتمے سے شروع ہو کر بلوغت کے طلوع تک رہتا ہے۔ اِن سالوں میں جنسی خواہش پس منظر میں چلی جاتی ہے لیکن اس کا اظہار بالواسطہ لڑکوں اور لڑکیوں کے کھیلوں میں ہوتا رہتا ہے۔ لڑکے لڑکیاں بسا اوقات دُلہا دلہن یا ڈاکٹر مریض کی اداکاری کرتے ہیں، لڑکیاں گڈے گڑیا کا ناٹک رچاتی رہتی ہیں۔

<u>بلوغت</u> : بارہ تیرہ برس کی عمر میں لڑکے لڑکی کے جنسی غدود ہارمون پیدا کرنے لگتے ہیں، قد بڑھ جاتا ہے، لڑکے کی آواز بھاری ہو جاتی ہے۔ لڑکی کے سینے پر ابھار آنے لگتا ہے اور اعضائے نہانی پر بال اُگ آتے ہیں۔ بعض خوبصورت گول مٹول لڑکے بدوضع لم ڈھینگ بن جاتے ہیں۔ بعض بے ڈول کم رُو لڑکیاں دیکھتے دیکھتے جادو نگاہ حسیناؤں کا روپ دھار لیتی ہیں گویا انہوں نے کینچلی بدل لی ہے۔ لڑکوں کو پورا جوان بننے کے لئے کئی سال درکار ہوتے ہیں جب کہ لڑکیاں چند ماہ میں پوری عورتیں بن جاتی ہیں۔ اِن جسمانی تبدیلیوں کے ساتھ ایک نامعلوم اضطراری کیفیت انہیں اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ ہم جولیوں اور اپنی سے بڑی عمر کے لڑکوں لڑکیوں کی باتیں بڑی دلچسپی سے سُنی جاتی ہیں جن میں اشاروں کنایوں میں بچے کی پیدائش کے عمل سے بحث کی جاتی ہے اور اعضائے نہانی کے بارے میں قیاس آرائیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیاں زیادہ متجسس ہوتی ہیں۔ وہ بلوغت کے لئے سخت بے چین ہوتی ہیں اور ایام کا بڑی بے صبری سے انتظار کرتی ہیں اگرچہ پہلی بار خونِ حیض جاری ہونے پر دہشت زدہ بھی ہو جاتی ہیں۔ جب ایام شروع

---

[1] اِسے EMBRYONIC SEXUALITY کہتے ہیں۔

ہو جائیں تو وہ ایک دوسری کو فخریہ بتاتی ہیں کہ میں جوان ہو گئی ہوں لڑکی کی بلوغت کی علامت ایام کا آنا ہے، لڑکوں میں احتلام بلوغت کی نشاندہی کرتا ہے۔ بعض لڑکے لڑکیاں جو بلوغت کے حقائق سے بے خبر ہوتے ہیں ایام کے آنے پر یا احتلام ہونے پر سخت فکرمند ہو جاتے ہیں کہ شاید ہمیں کوئی مرض لگ گیا ہے۔ بلوغت کا ذکر کرتے ہوئے سیمون دبووا لکھتی ہیں [1]

"اوائل شباب میں جذبات میں ہیجان اور انتشار پیدا ہو جاتا ہے، خواہشات میں ابتری اور تضاد نمایاں ہو جاتا ہے خیالات پریشان ہو جاتے ہیں۔ لڑکیاں رومانی ناول بڑے ذوق سے پڑھتی ہیں، جنسیہ فلمیں دیکھتی ہیں اور اپنے محبوب اداکاروں سے پیار کرنے لگتی ہیں وہ اپنے ملنے والے نوجوانوں میں محبوب اداکاروں کے خدوخال تلاش کرتی ہیں۔ وہ اپنی شکل وصورت اور لباس کے بارے میں حساس ہوتی ہیں اور معمولی سی نکتہ چینی بھی برداشت نہیں کر سکتیں۔ بات بات پر ٹھنکنے اور الجھنے لگتی ہیں ماں باپ ان کی کسی حرکت پر گرفت کریں تو خودکشی پر آمادہ ہو جاتی ہیں۔ وہ بسا اوقات ایک دوسری کی محبت میں یا اپنی استانیوں کے پیار میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور ہر ممکن طریقے سے لڑکوں کی توجہ جذب کرنے کی کوشش کرتی ہیں جب کوئی لڑکا ان میں دلچسپی کا اظہار کرے تو وہ اپنی سہیلیوں کو دیہ اپنی فتح کا حال سناتی ہیں کہ اس نے مجھی کو منتخب کیا ہے اس سے ان کا اعتماد اپنے حسن اور کشش پر بحال ہو جاتا ہے۔ خوبصورت لڑکیاں لڑکوں کو انگلی کا ناچ نچا کر بڑی خوش ہوتی ہیں ہر لڑکی کی دلی تمنا ہوتی ہے کہ اس کے حسن وجمال یا اس کی تراش خراش اور ذوق زیبائش و آرائش پر داد دی جائے اس کے بالوں کٹھو یا بدن کے تناسب کی تعریف کی جائے تو وہ خوشی سے پھولے نہیں سماتیں۔"

عمر کے اس نازک دور میں دوشیزائیں شکل وصورت کے بارے میں بڑی حساس ہوتی ہیں۔ لڑکیاں

---

[1] THE SECOND SEX.

اپنی سے زیادہ خوبصورت سہیلیوں کو دیکھ دیکھ کر رشک اور حسد کی آگ میں جلتی ہیں۔ ٹیوٹالسٹائی نے اپنی سوانح عمری میں لکھتا ہے کہ وہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ بدصورت تھا اپنی بدصورتی کا یہ تلخ احساس اُسے عمر بھر ستاتا رہا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑا اپنے گونڈوں کے پیسے کلے جبڑے بھونڈی ناک اور چھوٹی چھوٹی آنکھوں کو دیکھ کر کڑھتا رہتا تھا۔ لکھتا ہے[1]

"میرے خیال میں کسی شخص کی زندگی پر سب سے زیادہ فیصلہ کن اثر اس کی خوبصورتی یا بدصورتی کا ہوتا ہے اور اس سے بھی زیادہ اثر اس بات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو پرکشش خیال کرتا ہے کہ بدشکل سمجھتا ہے۔"

اوائل شباب کے جذباتی فشار کا ذکر کرتے ہوئے برٹرنڈرسل لکھتے ہیں[2]

"میں چاندنی راتوں کو پاگلوں کی طرح اِدھر اُدھر گھوما کرتا تھا۔ اس کا سبب شدید جنسی خواہش تھی لیکن اُس زمانے میں مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔"

نوخیزوں کے جذبات میں ہر وقت ہیجان بپا رہتا ہے۔ وہ چھوٹی سی بات پر خوشی سے اُچھلنے لگتے ہیں اور معمولی بنا پر منہ بسورنے لگتے ہیں یہ رقیق جذباتیت اُنہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتی۔ نوخیز لڑکیاں چاہتی ہیں کہ اُن کی جلد از جلد شادی ہو جائے تاکہ وہ خود مختار ہو جائیں اور ماں کی ہر وقت کی نکتہ چینی اور دانتا کلکل سے نجات پالیں۔ بعض لڑکیاں ماں کے درشت رویے سے تنگ آ کر گھر سے بھاگ جاتی ہیں۔ وہ پیار کے لئے ترستی رہتی ہیں اس لئے جب کوئی نوجوان اُن سے اظہار محبت کرتا ہے تو وہ دل و جان سے اُس پر فدا ہو جاتی ہیں۔ بعض لڑکیاں اپنی لکارت کھو کر ماں کے خلاف بغاوت کا اظہار کرتی ہیں۔ جی، بی شا نے کہا ہے کہ ایک انگریز لڑکی سب سے زیادہ اپنی ماں سے نفرت کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ ماں کی شفقت اور پیار کی آرزومند بھی ہوتی ہے جو اُسے شاذ و نادر ہی ملتا ہے۔ نوخیز لڑکیوں کو سب سے بڑا صدمہ اُس وقت ہوتا ہے جب وہ کسی لڑکے کو رجھانے میں ناکام رہتی ہیں۔ ایک لڑکی نے جھلا کر کہا تھا: "کاش وہ میری جانب مائل ہو جاتا اور میں

---

[1] CHILDHOOD, BOYHOOD & YOUTH
[2] AUTOBIOGRAPHY

اسے رو کر سکتی ہیں؟ جنسی مواصلت کے بارے میں سخت تجسس ہونے کے باوجود وہ اس سے متنفر بھی ہوتی ہیں۔ ایک لڑکی کا پہلی بار بوسہ لیا گیا تو اُسے سخت کراہت محسوس ہوئی اور اس نے غسل خانے میں جاکر اپنے دانت برش سے صاف کئے۔ ایک اور لڑکی نے پہلی بار کے جنسی ملاپ کے بعد خودکشی کرنے کی کوشش کی تھی۔ بہار اور خزاں کے موسموں میں نوجوانوں کا جنسی جذبہ غیر معمولی تندی سے بھڑک اٹھتا ہے۔ ان موسموں میں طوفان آتے ہیں، آندھیاں چلتی ہیں۔ اسی طرح انسان کے اندرون میں بھی ہلچل مچ جاتی ہے۔ بہار کے ساتھ عشقیہ شاعری کا تعلق ظاہر ہے۔ بہار کا نکھار نوجوان لڑکے لڑکیوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے تو وہ رومان خوابی میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اُن کے رگ و پے میں نفس پرور سرمستگی کی کیفیت نفوذ کر جاتی ہے۔ قدیم زمانے میں موسمی اور فصلی تہواروں کے موقعوں پر جنسی مواصلت کی آزادی دی جاتی تھی جس سے بہار کا بخار اُتر جایا کرتا تھا۔

وحشی قبائل آغازِ تاریخ سے بلوغت کی رسوم؎ ادا کرتے رہے ہیں اور آسٹریلیا اور جزائر غرب الہند کے وحشی قبائل میں یہ رسمیں آج بھی باقی ہیں۔ وہ انہیں صحت مندانہ زندگی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔ ختنہ کرنے یا بظر قطع کرنے کی رسمیں آج بھی ادا کی جاتی ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بعد لڑکے اور لڑکی کو بالغ مرد اور عورت تسلیم کر لیا جاتا ہے اور انہیں قبیلے کی ذمے داریاں سونپ دی جاتی ہیں۔ لڑکوں کو خاص طور سے کڑی آزمائش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات اُن کے اگلے دانت توڑ دیئے جاتے ہیں، انہیں کانٹوں کے بستر پر لٹایا جاتا ہے یا اُن کا بدن آگ میں تپائے ہوئے لوہے سے داغا جاتا ہے۔ اس کے دوران میں کوئی لڑکا چیخ مار دے یا رو دے تو اُسے بالغ تسلیم نہیں کیا جاتا اور کوئی لڑکی اس سے بیاہ کرنے پر رضامند نہیں ہوتی۔ ان عذاب ناک آزمائشوں میں پورا اُترنے کے بعد اُسے ہتھیار دیئے جاتے ہیں، شکار میں شریک کیا جاتا ہے اور اُسے عورتوں سے تمتع کی اجازت مل جاتی ہے۔ وحشی خونِ حیض سے سخت خوفزدہ ہو جاتے ہیں چنانچہ ایام کے دوران میں لڑکیوں کو بستی سے دور علیحدہ جھونپڑے میں رکھا جاتا ہے۔ اُن کے خیال

؎ INITIATION CEREMONIES

میں حائضہ خطرناک اور ناپاک ہوتی ہے۔ اُس میں ایک قسم کی طلسماتی قوت پیدا ہو جاتی ہے جس سے بچنا لازم ہے۔ حائضہ کا یہ طابو بعض مہذب اقوام میں آج بھی برقرار ہے۔ جیمز فریزر کہتا ہے کہ بعض قبائل میں بلوغت کے وقت لڑکی کو سورج کی شعاعوں سے اوجھل رکھتے تھے مبادا وہ سورج کی روشنی کو آلودہ نہ کر دے یا اُس کی شعاعوں سے حاملہ ہو جائے۔

بلوغت کے وقت قدرتاً جنسی خواہش بھڑک اٹھتی ہے۔ چودہ اور سترہ برس کی عمر کے درمیان نوخیز جنسی ملاپ کے بارے میں بحث تجسس ہوتے ہیں۔ سٹیکل کے خیال میں اِنہی سالوں میں اکثر و بیشتر لڑکیاں اپنی بکارت کھو بیٹھتی ہیں۔ اُنیس برس کی عمر کے بعد البتہ جنسی خواہش میں اعتدال آجاتا ہے۔ جوان لڑکیاں اپنے ہم عمر لڑکوں کو بچے سمجھ کر اُنہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہیں اور اپنی عمر سے بڑے نوجوانوں میں دلچسپی لیتی ہیں۔ پندرہ اور اٹھارہ برس کی عمر کے درمیان لڑکیاں اپنے تخیل میں مثالی مرد کا تصور بسا لیتی ہیں جو اکثر اوقات کوئی مشہور ایکٹر ہوتا ہے۔ فرائڈ کے خیال میں بلوغت کے بعد جنسی خواہش خودلذتی اور ہم جنسیت کے مراحل سے گذر کر بالآخر صنفِ مخالف سے وابستہ ہو جاتی ہے لیکن یہ ارتقاء مشکلات سے خالی نہیں ہوتا۔ ہم ان مراحل کا ذکر قدرے تفصیل سے کریں گے۔

خودلذتیؔ کی ترکیب ہیولاک ایلس نے وضع کی تھی۔ یہ خودکاریؔ سے وسیع تر مفہوم رکھتی ہے۔ خودکاری کا مطلب ہے اپنے اعضائے نہانی کو مختلف طریقوں سے چھیڑ کر منزل ہونے کی کوشش کرنا۔ خودلذتی میں بغیر کسی خارجی وجود کے توسط کے اپنے ہی جسم سے حظ اندوز ہونے کی کوشش کی جاتی ہے۔ خودلذتی اور نرگسیت لازم ملزوم ہیں۔ نرگسیت انا کا جنسی پہلو ہے اس کا مطلب ہے اپنی ذات سے محبت کرنا۔ لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں میں نرگسیت کی جانب زیادہ میلان پایا جاتا ہے۔ لڑکوں میں یہ میلان زنانہ مزاجی کی علامت ہے۔ نوجوان لڑکیاں قدِ آدم آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے جسم کے دلآویز زاویوں کو مختلف پہلوؤں سے دیکھ دیکھ کر

ے AUTO-EROTICISM ئے SELF-MANIPULATION

محظوظ ہوتی ہیں اور بعض اوقات بے اختیار پکار اٹھتی ہیں "اُف! میں کسقدر حسین ہوں!" ستمون دبوا لکھتی ہیں۔

> "نوجوان دوشیزہ اپنے بدن سے نفس پرور محبت کرتی ہے، اپنے آپ سے پیار کرتی ہے، اپنے بوسے لیتی ہے، اپنے برہنہ کندھوں اور بازوؤں کو چومتی ہے، اپنی ٹانگوں اور چھاتیوں کو گھورتی ہے۔ آغاز شباب ہی سے اُس کے دل و دماغ میں اپنی ذات کی محبت اور مرد کی طرف راغب ہونے کی تمنا میں کشمکش پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ نرگسیت جنسی پختگی آنے پر رفع ہو جاتی ہے ...... نوخیز دوشیزہ عالم حقائق سے منہ موڑ کر اپنے ہی حسین بدن کے جادو پر عقیدہ رکھتی ہے۔ جادو جو مردوں کو اس کا مطیع کر دے گا۔ بعض لڑکیاں اپنے برہنہ اعضا ایک دوسری کو دکھاتی ہیں، آپس میں چھاتیوں کا معائنہ کرتی ہیں اور عام دخاص بوسوں کا تبادلہ کرتی ہیں۔"

بسا اوقات نوجوان نفسانی ہیجان کے ریلے میں بے اختیار بہہ جاتے ہیں، اپنے جذبات کی رَو پر قابو نہیں پا سکتے اور خود کاری کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ عام حالات میں اُن سے بڑی عمر کے لڑکے لڑکیاں اُنہیں گمراہ کرتی ہیں لیکن بعض دفعہ نفسانی ہیجان بھی اُنہیں خود کاری کے دریے بلکہ دیتا ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح جنسی جوش کے جوش و سروش کو رفع کر لیتے ہیں۔ برٹرنڈ رسل لکھتے ہیں لے

> "پندرہ برس کی عمر میں ڈنک کے ساتھ تک رہتے ہوئے مجھے سخت تحریک ہوتی اور میں جلق لگانے لگتا البتہ اس میں میں نے شرکت کبھی نہیں کی۔ میں اس پر شرمسار ہوتا اور اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا تاہم میں بیس برس کی عمر تک جلق لگاتا رہا تا آنکہ عشق میں مبتلا ہوا اور میں نے یہ عادت ترک کر دی ... جسمی

لے AUTOBIOGRAPHY

جذبے کے اِس اُبال کے ساتھ میری مثالیت پسندی کے احساسات وابستہ تھے جن
کے بارے میں ہنوز مجھے علم نہیں تھا کہ یہ جنسی خواہش پر مبنی ہیں۔ مجھے بادلوں اور
شفق، بہار اور خزاں کے درختوں کے حُسن میں بے حد دلچسپی محسوس ہونے لگی بلکہ یہ
دلچسپی جذباتی نوع کی تھی اور جنس کے لاشعوری ارتفاع کی ایک صورت بھی میں
اِس میں فرار تلاش کیا کرتا تھا۔"

ماضی میں سلاطین اور اُمراء کے بعض گھرانوں میں نوخیز لڑکوں کو جلق سے بچانے کے لئے اُنہیں بالغ ہونے پر لونڈیاں دی جاتی تھیں۔ مہدی جوان ہوا تو اُس کے باپ منصور نے اُسے ایک کنیز محیاۃ عطا کی تھی۔ لیو ٹالسٹائی لکھتا ہے کہ اُس کا بھائی نکولس سولہ برس کا ہوا تو اُس کے باپ نے نکولس کو ایک لونڈی دی تھی تاکہ وہ بے راہ روی سے محفوظ رہے۔ اِس لونڈی کے بطن سے نکولس کا ایک بیٹا بھی پیدا ہوا تھا۔ جدید تمدن میں جنسی خواہش کو بھڑکانے کے سامان تو بہت ہیں لیکن اس کی آسودگی کے وسائل کم ہیں۔ نوخیز عامیانہ گیت سُن سُن کر اور ہوس پرور فلمیں دیکھ دیکھ کر از خود رفتہ ہو جاتے ہیں اور نفسانی ہیجان سے نجات پانے کے لئے خود کاری سے رجوع لاتے ہیں۔ کنسے کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں ۹۳ فی صد لڑکیاں پندرہ برس کی عمر میں خود کاری کرتی ہیں البتہ جنسی مواصلت میسر آنے پر اسے ترک کر دیتی ہیں۔ کلاسنر کی تحقیق یہ ہے کہ ناروے سویڈن میں دو تہائی لڑکیاں سولہ برس کی عمر میں خود کاری کرتی ہیں اور اکثر و بیشتر لڑکے جلق لگاتے ہیں۔

جلق کے اثرات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ رینے رگورٹرل اور اُس کے ہم خیال کہتے ہیں کہ جلق لگانا عین فطری ہے۔ نوخیزی کے نازک مرحلے پر کبھی کبھار جلق لگانے یا خود کاری کرنے سے لڑکے اور لڑکیوں کو اعصابی آسودگی اور جنسی تسکین میسر آتی ہے۔ ہیولاک ایلس کے خیال میں جلق لگانے سے جسم کی بہ نسبت ذہن زیادہ ماؤف ہوتا ہے کیوں کہ اِس سے نوخیز احساسِ جرم میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتا ہے کہ جرم یا گناہ کا یہ تلخ احساس نہ ہو تو جلق چنداں ضرر رساں نہیں ہوتی۔ فرائڈ کہتا ہے کہ جلق سے جو ذہنی کرب اور احساسِ جرم کی اذیت محسوس ہوتی ہے وہ جسمانی ضرر سے

کہیں زیادہ تکلیف دہ ہوتی ہے۔ اس کے خیال میں ہر نوخیز کو خود لذتی کے مرحلے سے گذرنا پڑتا ہے جلق اور خودکاری نوخیزوں کے نفسانی ہیجان کی تسکین کا باعث ہوتی ہے۔ شیرخوار بچے بھی خودکاری سے محظوظ ہوتے ہیں اور نوخیزی میں اسی میلان کا احیاء ہوتا ہے۔ اکثر ڈاکٹروں اور تحلیل نفسی کے طلبہ کے خیال میں کبھی کبھار کی خودکاری یا جلق ضرر رساں نہیں ہوتی البتہ اس کی کثرت و مداومت جسمانی و نفسیاتی صحت کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس سے لڑکوں کو زیادہ نقصان پہنچتا ہے کیوں کہ مادہ منویہ کا بکثرت اخراج اُن کے اعصاب کو مضمحل اور توانائی کو ختم کر دیتا ہے۔ فرائڈ کہتا ہے۔

• ڈاکٹر جلق کے مضر اثرات کو قابل اعتنا نہیں سمجھتے جب کہ مریض کہتے ہیں کہ اُن کے جملہ عوارض کا اصل سبب جلق ہی ہے۔ میرے خیال میں مریض ٹھیک ہی کہتے ہیں۔"

ڈاکٹر میری سٹوپس لکھتی ہیں [1]

• مردانہ کمزوری، سُرعتِ انزال وغیرہ کا ایک اہم سبب جلق ہے۔ اکثر نوخیز لڑکے لڑکیاں جلق لگاتے ہیں۔ مذی کے اخراج سے مرد کا عضوِ خاص دخول میں کوئی دقت محسوس نہیں کرتا لیکن ہاتھ یا کسی دوسری شے کی رگڑ سے حشفہ اور عضوِ مخصوص کی رگوں کو نقصان پہنچتا ہے اور وہ پوری طرح نشوونما نہیں پا سکتا جس سے آدمی مقاربت کے قابل نہیں رہتا۔ کبھی کبھار جلق لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن نوخیزی کے دوران میں کثرت و تواتر سے جلق لگانا تباہ کن ہے۔ جلق کے ساتھ گناہ کی اُلجھن وابستہ ہو جاتی ہے جو اکثر اوقات سُرعتِ انزال کا باعث ہوتی ہے۔ مجلوق کو احساسِ گناہ سے نجات دلانا ضروری ہے۔ جو لوگ کبھی کبھار جلق لگاتے ہیں اُن کی صحت پر کوئی ناخوشگوار اثر نہیں پڑتا۔"

عام حالات میں نوخیز کبھی کبھار جلق لگا کر جنسی تسکین حاصل کر لیتے ہیں لیکن بعض نوخیز لاشعوری جبر کے تحت جلق لگاتے ہیں یا خودکاری سے رجوع لاتے ہیں۔ ان کی اکثریت ایسے نوخیزوں پر مشتمل ہوتی ہے

---

[1] THE ENDURING PASSION.

جو ماں باپ کی محبت سے محروم ہوتے ہیں یا اپنی بدصورتی کے باعث جذب توجہ سے قاصر رہتے ہیں۔ اس محرومی کے باعث وہ روز خرابی کی حالت میں تخیلاتی معاشقے کرتے ہیں۔ ان کے لئے جلق یا خودکاری ایک جبری فعل کی صورت اختیار کر جاتی ہے۔ یہی وہ نوخیز ہیں جن کے لئے جلق یا خودکاری نہایت ضرر رساں ہوتی ہے۔

کثرتِ جلق بلاشبہ ایک نوخیز کے جسم اور ذہن کے اکثر عوارض کا سبب بن جاتی ہے۔ بارہ، تیرہ برس کی عمر میں کثرت و تواتر سے جلق لگائی جائے تو اعضائے تناسل کی نشو و نما رک جاتی ہے۔ کوتاہی، لاغری اور کجی کے باعث مخلوق مقاربت کے قابل نہیں رہتا، اُس کا نظامِ عصبی ماؤف ہو جاتا ہے اور ذکاوتِ حس کے باعث سرعتِ انزال میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ اُس کا بدن کمزور اور ناتواں ہوتا ہے، آنکھیں اندر دھنس جاتی ہیں، ان کے گرد سیاہ حلقے نمودار ہو جاتے ہیں، آنکھوں کی پتلیاں بے رونق اور بے نور ہو جاتی ہیں، چہرے کا رنگ مٹیالا ہو جاتا ہے، چہرے پر پھنسیاں نکل آتی ہیں، ہاتھ بھیگے بھیگے اور سرد رہتے ہیں، حافظہ کمزور ہو جاتا ہے، بات کرتے وقت وہ مخاطب سے آنکھ نہیں ملا سکتا نہ کسی مسئلے پر غور و فکر کر سکتا ہے، اُس کا اعتمادِ نفس مجروح ہو جاتا ہے، مزاج ہموار نہیں رہتا، عزم و حوصلہ سے عاری ہو جاتا ہے، متلوّن مزاج اور چڑچڑا ہو جاتا ہے اور ٹوٹے پھوٹے جملوں میں بات کرتا ہے، دوسرے ہم سنوں کی صحبت سے گریز کرتا ہے اور کھیلوں میں حصّہ نہیں لیتا، بلکہ تنہا ادھر اُدھر گھومتا پھرتا ہے، لباس کے معاملے میں بے پروا ہوتا ہے، بدن کی صفائی کا خیال نہیں رکھتا، شادی کے نام سے گھبراتا ہے، جوان عورت سے بات کرتے ہوئے اُس کے پسینے چھوٹ جاتے ہیں اور دل دھک دھک کرنے لگتا ہے۔ وہ عصبی المزاجی اور تشویش کی اُلجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بس میں سفر کر رہا ہو تو ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں اُس کی ٹکر نہ ہو جائے، سنیما ہال میں بیٹھا ہو تو اوپر دیکھتا ہے کہ کہیں چھت نہ گر پڑے۔ اُس کی اقدام اور ہمت رفت کی قوت سلب ہو جاتی ہے اور اس میں مریضانہ جھجک پیدا ہو جاتی ہے۔ نفسیاتی رکاوٹ کے باعث وہ معمولی سا کام بھی سلیقے سے نہیں کر سکتا مثلاً کسی

ـــ NEURASTHENIA ANXIETY-NEUROSIS INHIBITION

والے کو آواز دیتے وقت، کھڑکی سے ٹکٹ خریدتے وقت، ریل میں سوار ہوتے ہوئے، پبلک بیت الخلا کو استعمال کرتے وقت گھبرا جاتا ہے۔ وہ نہ کسی کے مذاق پر کھل کر ہنس سکتا ہے اور نہ کسی کی مصیبت میں کسی سے اظہارِ ہمدردی کر سکتا ہے۔ اُس کی خاموشی اور لب بستگی کے باعث لوگ اُسے مُتکبّر سمجھنے لگتے ہیں کیوں کہ وہ اُس کے عجیب و غریب طرزِ عمل کے اصل سبب سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اُسے اپنی المناک حالت کا احساس ہوتا ہے اور وہ چوری چھپے اپنا علاج بھی کراتا ہے لیکن مُستند معالج کے پاس جاکر صاف صاف اپنا حال نہیں بتا سکتا۔ اِشتہاری عطائیوں سے دوائیں منگوا کر کھاتا رہتا ہے جس سے اُس کی رہی سہی صحت بھی جواب دے جاتی ہے۔ وہ زندگی کے حقائق سے گریز کر کے بڑے بڑے بلند نصب العین اپنا لیتا ہے اور ہیرو بننے کے خواب دیکھنے لگتا ہے، ادبی ذوق سے بہرہ ور ہو تو معیار سے گرا ہوا ادب تخلیق کرتا ہے۔ اُس کے احساس میں جو ذکاوت اور تخیل میں جو خواب ناکی سی آجاتی ہے وہ اُس کے شعروں اور قصّوں میں بھی رقیق جذباتیت اور المناک افسردگی کا رنگ بھرتی رہتی ہے۔

نوخیزوں کو کثرتِ عمل سے علّت سے بچانے کی ذمّے داری باپ پر عائد ہوتی ہے کیوں کہ نوخیزی کے مرحلے پر لڑکے سے توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ مناسب جنسی معلومات سے بہرہ مند ہوگا اور کثرتِ عمل کے اثرات و نتائج کا وقوف رکھے گا۔ لڑکا بارہ تیرہ برس کا ہو جائے تو باپ پر لازم ہے کہ وہ اُس پر نگاہ رکھے۔ لڑکے کو علٰحدہ کمرے میں سونے کا موقع نہ دے بلکہ رات کو اُس کی چارپائی اپنے پاس بچھوائے، اُسے ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے کی ترغیب دلائے، اُس کے چھوٹے موٹے عُقدے سُلجھانے کی کوشش کرے اور اُسے جا بجا سرزنش نہ کرے۔ ایک نوخیز کے لیے بیکار بیٹھنا زہر ہے۔ اُس کے اوقاتِ عمل ایسے مُعیّن کیے جائیں کہ وہ ہر وقت مطالعے یا صحت مند قسم کے کھیل تفریح میں مصروف رہے۔ میں یہاں ایک لڑکے کی مثال دوں گا۔

حمید ـــ یہ نام فرضی ہے ـــ میری جماعت میں پڑھتا تھا۔ وہ اکثر جماعت سے غیر حاضر رہتا یا چپ چاپ اپنی نشست پر بیٹھا رہتا۔ وہ آنکھوں پر گہرا سیاہ چشمہ لگاتا تھا اور جماعت کی کسی

بحث میں حصہ نہیں لیتا تھا۔ جب کبھی اُس سے کوئی سوال پُوچھا جاتا تو وہ سر نیہوڑائے چُپ چاپ اپنی جگہ کھڑا ہو جاتا اور ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑانے لگتا جس پر دوسرے لڑکے ہنسنے لگتے۔ کالج میں فارغ التحصیل ہونے کے بعد ایک دن حمید جھجکتا، سمٹتا ہوا میرے پاس آیا اور دیر تک بیٹھا اِدھر اُدھر کی بے تکی باتیں کرتا رہا۔ اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا اور آنکھوں میں شکار کیے جانے والے جانور کی کرب ناک وحشت تھی۔ آخر ایسی آواز میں جو معمولی آواز سے چڑھی ہوئی تھی اور جس میں ایک دبی دبی سی چیخ محسوس ہوتی تھی یکبارگی وہ اپنا دکھڑا رونے لگا۔ اُس نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں کم اشاروں کنایوں میں زیادہ مجھے اپنی بپتا سُنائی پھر گھبرا کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اجازت طلب کی۔ جاتے وقت وہ اپنی نوٹ بُکیں میرے پاس چھوڑ گیا اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں زبانی نہیں بتا سکا وہ اِن میں پڑھ لیجئے گا۔ پھر باچشم نم بولا آپ میرے مشفق اُستاد ہیں میں آپ سے امداد کا طالب ہوں خدارا میری مدد کیجئے آپ میرا آخری سہارا ہیں۔ اِس کے بعد وہ پُورا ایک سال ہفتے میں ایک بار میرے پاس آتا رہا اور جو باتیں میرے سامنے نہ کہہ سکا وہ اپنے خطوط میں لکھ کر بھیجتا رہا۔ اُس کے خطوط میرے پاس موجود ہیں۔ ان میں سے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"____ اِس وقت میرے چاروں طرف تفکرات، مایوسیوں، درد و کرب، اُلجھنوں، پریشانیوں، غمزدگیوں کے بادل چھا گئے ہیں اور میں تھکی ہوئی نڈھال آنکھوں سے اُنہیں دیکھ رہا ہوں۔ میں اُن کا مقابلہ کرتے کرتے اب تھک گیا ہوں۔ میں اب اِس بوجھ کو مزید اپنے کمزور و ناتواں کندھوں پہ ڈال کر چند قدم بھی نہیں چل سکتا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے اندر اب موت کی خواہش پیدا ہو رہی ہے۔"

"____ آج آپ جس شخص کو سامنے بیٹھا ہوا دیکھ رہے تھے اُس کی اِن آنکھوں کی اوٹ میں زبردست طوفانی ہلچل مچی ہوئی تھی۔ میں نے کئی مرتبہ کوشش کی لیکن میں اپنے اِس رُوحانی و دلی کرب و اذیت، تکلیف، زخموں کو مناسب و موثر طریقے سے آپ کو دکھا نہیں سکا۔ میں اِس درد و کرب کو ذہنی عیاشی کا ذریعہ بنا سکتا ہوں مگر روحانی عیاشی کا نہیں اِس لئے کہ رُوح کو خوشی سے واسطہ ہے رنج و عیش سے۔ جب سے میں نے فلم 'زندگی یا طوفان' دیکھی ہے میں اتنا پریشان، غمزدہ، درد و کرب میں

مبتلا ہوں کہ میں دُنیا بھر کے الفاظ استعمال کرنے کے بعد بھی اس کو درست طریقے پر بیان نہیں کر سکتا۔ میں ایک زندہ لاش ہوں جو ادھر اُدھر رینگ رہی ہو اِس احساس کے ساتھ کہ آج میں واقعی مُردہ ہو گیا۔ میں اب مرجانا چاہتا ہُوں۔ کاش مجھ میں مرنے کی ہمت ہو جائے۔ اب میری پُرانی لاٹھیاں[1] ٹوٹ رہی ہیں۔ اب مجھ کو اگر کوئی مناسب سہارا نہ ملا تو میں کرخیدہ کے ساتھ نیچے گر پڑوں گا اور پھر کبھی آپ کے پاس نہیں آؤں گا۔"

"——— مَیں اپنا دُبلا پتلا جسم دیکھ کر شدید خود ترسی میں مُبتلا ہو جاتا ہوں۔ میرے اندر یہ خیال اُبھرتا ہے کہ مجھے ٹی بی ہو جائے گی اور اب میں مرجاؤں گا لیکن میں یہ نہیں ہونے دوں گا میں اِس طرح گھُٹ گھُٹ کر جہنمی عذاب کے ساتھ ہرگز مرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں خُودکُشی کو ترجیح دوں گا لیکن میں زندگی موت کی اِس جدوجہد کے دوران ایک داؤ، آخری داؤ ضرور لگانا چاہتا ہوں میں اب موہوم اُمیدوں کے سہارے زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ کاش کہ آپ اس وقت میرے دل میں جھانک سکتے۔ مَیں یہ سطور لکھ رہا ہوں۔ میری ازحد نمناک، افسردہ آنکھوں میں جھانک کر میری رُوح کی شدید سسکیوں کو سُن سکتے کہ میں کس طرح اِن انگاروں پر لوٹ رہا ہوں۔۔۔۔ میرے اندر کیسی کیسی عجیب اُمیدیں ہوتی ہیں جو اپنی حسرتوں کے مزار پر دیئے بھی جلاتی ہیں اور زندگی کے نئے سُورج کی طرف بھی حسرت ناک نگاہوں سے دیکھتی ہیں۔ مجھ سے بڑھ کر مصیبت زدہ شاید ہی کوئی ہو۔ اگر میں اپنے آپ کو بدنصیب کہوں تو وہ اپنے جرائم، پر غلطیوں کی پردہ پوشی کے مترادف ہو گا البتہ بدبخت کہنے میں مجھے کوئی عار نہیں یاس مرحلے پر پہنچ کر اب میرے اندر جینے کی تمنا مفقود ہو رہی ہے۔"

"——— میری آنکھوں میں عجیب سی مدہوشی، مُردگی کا پتہ چلتا ہے، دماغ پتھر کی طرح بے حس اور مُضمحل ہے۔۔۔۔ میری حالت کتنی تکلیف دہ ہے مگر اس کے باوجود میں ایک عجیب سی بے ہوشی کے عالم میں وہی حرکتیں دہراتا رہتا ہُوں ۔۔۔۔ میرے دل و دماغ پر مبہم سی کیفیات طاری ہیں: اُداسی، عجیب سی خلش، بے نام سی بے کیفی، افسوس و رنج۔"

---

[1] جیسا کھیاں

خود ترسی، رحم طلبی، موت کی آرزو، تشویش اور جرم کی اُلجھن کثرت جلق اور خودکاری میں مبتلا نوجوانوں کے احساس و فکر کی عکاسی کرتی ہیں۔ طوالت کے خوف سے راقم التحریر حمید کے تجزیۂ نفس کی تفصیلات، اُس کی رہنمائی اور خودکاری کے جبر کو توڑنے کے سلسلے میں اپنی کوششوں کا ذکر نہیں کرے گا۔ شاید اِس ذکر کا یہ محل بھی نہیں ہے۔ مختصراً یہ کہ حمید بارہ تیرہ برس کی عمر ہی میں خودکاری کرنے لگا۔ وہ ایک امیر باپ کا بیٹا تھا۔ اُس کا باپ ابتدائے عمر میں ایک کم مایہ درزی تھا جس نے سسرال والوں کی مدد سے کاروبار شروع کیا چند ہی سالوں میں لکھ پتی بن گیا۔ دوسرے نَو دولتیوں کی طرح وہ نہایت خود غرض، قابوچی، خسیس اور شیخی خورا تھا اور اپنے بیٹوں کو ایک ایک پائی کا محتاج رکھ کر منفی قسم کی خوشی محسوس کیا کرتا تھا۔ بظاہر وہ بڑا متدین تھا لیکن زُہد و ورع کے پردے میں ذاتی مفاد کی پرورش کرتا تھا۔ یہ سب باتیں اُس کے بیٹے نے مجھے بتائیں۔ حمید اُس کا چوتھا بیٹا تھا اور ایسا بچہ تھا جس کی ذات میں باپ نے کبھی بھی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔ وہ لڑکپن میں باپ کی شفقت کے لیے ترستا رہا۔ اُس کا باپ اپنے کاروبار میں اس قدر مصروف تھا کہ ہفتوں تک گھر میں اُس کا چہرہ دکھائی نہیں دیتا تھا اور جب کبھی اتفاق سے وہ سامنے آبھی جاتا تو حمید کو ڈانٹ ڈپٹ کے سوا کچھ نہ ملتا۔ باپ کے اِس تغافل نے حمید کو لڑکپن ہی میں اک گونہ تشویش اور وحشت میں مبتلا کر دیا۔ اُس کی ماں کو بھی گھر کے کام کاج سے فرصت نہیں ملتی تھی، بڑے بھائی اپنے اپنے چکروں میں پڑے تھے۔ ناچار جی بہلانے کے لیے نوکروں کے پاس بیٹھنے لگا۔ ایک دن ایک نوکر سے حمید نے پوچھا کہ یہ پریاں کیا ہوتی ہیں جن کا ذکر قصوں میں آتا ہے۔ نوکر نے کہا میں تمہیں پرستان کی سیر کراؤں گا اور اِس عنوان سے حمید کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اوائل شباب ہی سے حمید کثرت سے فلمیں دیکھنے لگا۔ اِس طرح گھر کے ماحول سے اُسے فرار کا ایک راستہ مل گیا۔ فلموں میں بوس و کنار کے مناظر دیکھ دیکھ کر اور عشقیہ گانے سُن سُن کر اُس کی جنسی خواہش میں اُبال آگیا اور اُس نے خودکاری کرنا شروع کی جو شدہ شدہ جبر کی صورت اختیار کر گئی اور اُس کے لیے تفریح کا ایک وسیلہ بن گئی۔ اِن دِنوں وہ اپنے آپ کو ہیرو سمجھتا تھا۔ وہ فلموں کے مکالمے یاد کر کے تنہائی میں بولا کرتا

اور ان کے گھٹیا گانے گنگنایا کرتا۔ اس کے ساتھ اُس نے ابنِ صفی وغیرہ کے عامیانہ ناول پڑھنے شروع کیے۔ ایک دن محلّے کی لائبریری سے اُسے وہبی وہانوی کا ایک ناول پڑھنے کو ملا جس کی فیس دس روپے وصول کی گئی۔ اِن مشاغل کے لیے روپے کی ضرورت تھی چنانچہ حمید گھر میں چوری کرنے لگا۔ اُس نے انگریزی رسالوں سے عورتوں کی نیم عُریاں تصویریں کاٹ کاٹ کر ایک البم بنالیا۔ جہاں کہیں اُسے کوئی نیم عُریاں تصویر دکھائی دیتی وہ اُسے حاصل کرکے دم لیتا تھا۔ خود کاری کے وقت وہ اِس البم کی تصویریں سامنے رکھ لیتا اور تخیّل میں فرض کرلیتا کہ یہ اُس کی حسین محبوبہ ہے جو اُسے ملنے کے لیے آئی ہے۔ وہ اُس سے باتیں کرتا، پُرجوش الفاظ میں اُس سے اظہارِ عشق کرتا اور اُسے محبت بھرے فلمی گیت سُنایا کرتا۔ اپنے 'حرم' کی ہر عورت سے اُسے عشق تھا۔ اِس لڑکے کو گھبدی عورتوں کے بوجھل کولہوں اور بھری بھری رانوں کا خبط تھا۔ راستہ چلتے ہوئے اُس کی مڈبھیڑ کسی ایسی عورت سے ہوجاتی جس کے کولہے بھاری بھرکم ہوتے تو وہ اُس کے پیچھے پیچھے ہو لیتا اور اُس کے مٹکتے ہوئے کولہوں پر نظریں گاڑے خاصی دور تک اُس کا پیچھا کیا کرتا۔ بقول اُس کے وہ کسی ایسی عورت کے پیچھے پیچھے چلتا ہوا دُنیا کے آخری سِرے تک جاسکتا تھا۔ شبانہ روز کی خود کاری سے اُس کا جسم سُوکھ کر کانٹا ہوگیا اور چہرے پر زردی کھنڈ گئی۔ وہ اکثر اوقات اپنے کمرے میں گھسا رہتا اور خیالات کی دُنیا بسائے رکھتا۔ وہ اپنے تصور میں کسی فلم ایکٹریس یا انگریزی رسالے کی کسی نیم عُریاں عورت کو بسا لیتا اور پھر ابتدائے عشق سے لے کر انتہائے وصال تک کے مراحل خیال ہی خیال میں طے کیا کرتا اِسی زمانے میں اُس نے فحش نگاری شروع کی۔ اُس کی نوٹ بکوں میں نہایت فحش افسانے میری نظروں سے گزرے۔ فحاشی کے باوجود مجھے بعض مقامات پر اُس کی فن کارانہ بصیرت اور لطافتِ بیان کا احساس بھی ہوا۔ ظاہراً اپنے تخیلات کی عملی ترجمانی کے لیے اُس نے فحش نگاری کا سہارا لیا تھا۔ اُس کی فحش تحریریں دیکھ کر میرا یہ عقیدہ راسخ ہوگیا کہ فحش نویس پورے مرد نہیں ہوتے اور فحاشی سے اپنی کوتاہ ہمتی کی تلافی کرتے رہتے ہیں۔

مشورے کے دوران میں ایک دن حمید نے بڑی عاجزی سے مجھ سے قرضِ حسنہ مانگا اور

وعدہ کیا کہ ایک ماہ تک رقم واپس کر دے گا۔ میں نے ٹال مٹول سے کام لیا کیوں کہ ایک تو مجھے اِس بات کا یقین تھا کہ یہ رقم فحش کتابوں اور فلموں پر صرف ہو گی اور دوسرے میں جانتا تھا کہ وہ یہ قرضِ حسنہ واپس نہیں کر سکے گا، دوسرے مقروضوں کی طرح بھاگ جائے گا اور مشورہ ادھورا رہ جائے گا بہر صورت ایک برس کے بعد وہ اچانک غائب ہو گیا۔ اُس کا آخری خط جو مجھے ملا اُس میں حمید نے بڑی گرم جوشی سے میرا شکریہ ادا کیا تھا۔ کچھ مدت کے بعد مجھے بتایا گیا کہ اُس کی صحت پہلے سے بہتر ہے اور اُس کے باپ نے ایک معقول کاروبار بھی اُس کے سپرد کر دیا ہے۔

نوخیزوں کی ہم جنسی محبت اگرچہ شعوری اور واضح طور پر جنسی نہیں ہوتی تاہم اُس کی تہ میں نیا نیا بیدار شدہ جنسی اُبال ضرور کار فرما ہوتا ہے۔ اس نوع کی محبت کی مثالیں ہر سکول اور کالج میں بالعموم اور طلبہ و طالبات کی اقامت گاہوں میں بالخصوص ملتی ہیں۔ ایک ہی جماعت یا مدرسے میں پڑھنے والے لڑکے بعض اوقات ایک دوسرے سے پُرخلوص محبت کرنے لگتے ہیں خوبصورت اور خوش پوش لڑکے اپنے ساتھیوں کی توجہ کے مرکز بن جاتے ہیں۔ لڑکے اُن کی تالیفِ قلب میں کوشاں رہتے ہیں اور اُن سے باتیں کرنے اور مل کر کھیلنے کے عنوان تلاش کر لیتے ہیں بعض اوقات وہ حسد اور رقابت کے مارے لڑائی جھگڑے پر بھی اُتر آتے ہیں۔ ایرانی ذوق رکھنے والے بعض اُستاد بھی خوبصورت لڑکوں کے دیدار سے آنکھیں سینکتے ہیں۔ ؂

بہ مکتب آمد آں طفلِ پریزاد مبارک باد مرگِ نو بہ اُستاد

اُستادوں اور چاہنے والے طلبہ میں رقابت بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ سطور قلم بند کرتے ہوئے راقم التحریر کو دو واقعات یاد آ رہے ہیں۔ پہلا واقعہ لاہور کے ایک مشہور سکول سے متعلق ہے۔ کئی برس ہونے کو آئے اِس سکول کے ایک ماسٹر صاحب ایک خوبرو لڑکے پر فریفتہ ہو گئے۔ وہ چھٹی کے بعد اِس طالبِ علم کو اپنے کمرے میں بُلا لیتے اور اُس سے محبت بھری باتیں کیا کرتے۔ ماسٹر صاحب کے رقیب طلبہ بھی تاک میں تھے۔ ایک دن اِن لڑکوں نے ماسٹر صاحب کو عینِ حالتِ دگرگوں میں پکڑ لیا اور شور مچا دیا۔ بات دور تک پہنچی لیکن سکول کے وقار کے نام پر اسے دبا دیا گیا۔